© rasailojaraid.com

قسط ۷

مطالعۃ القرآن

از: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالعزیز علوی۔

قرآن مجید جملہ واحدۃ یکبارگی آسمان دنیا پر بیت العزۃ میں اتارا گیا۔ اس کی حکمت و فلاسفی اور اسرار کے بارے میں علمائے امت نے بحث کی ہے اور مندرجہ ذیل حکم و اسرار بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کی یکبارگی آسمان پر نازل کرنے میں یہ راز تھا کہ خود قرآن مجید اور جس پر وہ نازل کیا جانے والا ہے اس طریقہ سے دونوں کی عزت بڑھائی جائے یعنی ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں پر یہ بات ظاہر کر دی جائے کہ یہ کتاب سب سے آخری آسمانی کتاب ہے جو خاتم الرسل و الانبیاء پر اشرف الامم کی ہدایت و رہنمائی کیلئے اتاری جانے والی ہے۔ اس طرح اس سے قرآن مجید کی عظمت کا اظہار، رسول اکرم ﷺ کی تعظیم و تکریم اور آخری امت کی خیریت کا اظہار کر دیا گیا۔

حکیم ترمذی کا قول ہے۔ پورے قرآن کو ایک ہی مرتبہ آسمان دنیا پر نازل کرنے کا یہ مدعا تھا کہ محمد ﷺ کے مبعوث ہونے کی وجہ سے مسلمان قوم کو رحمت باری کا جو پورا حصہ عطا ہوا تھا یہ قوم اس عطیہ کو باسانی حاصل کر سکے۔ جس کی شکل یہ تھی کہ محمد ﷺ کا مبعوث ہونا مخلوق کے لئے ایک رحمت تھا، جس وقت رحمت کا دروازہ کھلا اس سے محمد ﷺ اور قرآن کریم دونوں ساتھ ہی باہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نکلے۔ لیکن قرآن آسمان دنیا کے بیت العزۃ میں رکھ دیا گیا تاکہ وہ دنیا کی حد میں داخل ہو جائے اور نبوت کو محمد ﷺ کے قلب میں جگہ دی گئی۔ اس کے بعد جبرئیل پہلے رسالت اور پھر وحی لے کر ان کے پاس آئے۔

امام سخاوی کا قول ہے: قرآن کو ایک مرتبہ ہی مکمل کر کے آسمان دنیا پر نازل کرنے میں فرشتوں کی نظر میں آدمیوں کی عزت و شان بڑھانا مقصود تھا اور انہیں دکھانا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت نسل آدم پر کس قدر ہے اور وہ ان پر کتنی رحمت فرماتا ہے۔

۲۔ آسمان دنیا پر اس لئے یکبارگی اتارا گیا کہ رسول اکرم ﷺ کے دل میں شوق و رغبت پیدا ہو۔

اعظم مایکون الشوق یوما۔ اذا دنت الخیام من الخیام

شوق اس وقت انتہاء کو پہنچتا ہے۔ جب خیمے آپس میں قریب ہوں۔

۳۔ تعدد نزول اور تعدد اماکن (لوح محفوظ، بیت العزۃ، قلب الرسول، صحف) کا مقصد یہ ہے کہ قرآن پر اعتماد و یقین میں اضافہ ہو۔ شک و شبہ کا ازالہ ہو، کیونکہ جب ایک چیز کئی جگہ لکھی جاتی ہے یا کئی جگہ پائی جاتی ہے تو اس کے بارے میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا اور اس کا اعتراف و اقرار کرنا پڑتا ہے اور اس پر اس چیز سے زائد یقین و اعتماد ہوتا ہے جو ایک ہی جگہ لکھی گئی ہو یا ایک ہی جگہ موجود ہو۔

جبرئیل امین نے قرآن کیسے اور کس سے لیا

علمائے اصول، فقہاء اور علمائے لغت و ادب کا اس پر اتفاق ہے اور خود قرآن مجید اس پر گواہ ہے کہ قرآن مجید لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے جس طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے مفاہیم و معانی اور مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اسی طرح اس کے حروف و الفاظ من و عن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ الفاظ و حروف کے انتخاب یا ترتیب و ترکیب اور انشاء میں حضور اکرم ﷺ اور حضرت جبریل کو کوئی دخل نہیں ہے۔

جو لوگ وحی کے بارے میں مادہ پرستوں سے مرعوب ہیں یا جو حضرات اللہ تعالیٰ کے کلام کو کلام نفسی قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن کا صرف مفہوم و معنی بذریعہ وحی نازل ہوا تھا اور معاذ اللہ قرآن کے الفاظ و حروف اور کلمات و تراکیب سب حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یا حضور اکرم ﷺ کی ہیں لیکن یہ خیال بالکل باطل، اور قرآن و سنت کی صریح نصوص کے بالکل منافی ہے۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات اس بات کی صریح اور واضح دلیل ہیں کہ اس کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ چند ایک دلائل ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ آپ پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں آپ کو قرأت کا حکم دیا گیا ہے اور قرأت کا تعلق صرف معانی و مفاہیم نہیں ہو سکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اقرا باسم ربک الذی خلق O خلق الانسان من علق O اقرا و ربک الاکرم الذی علم بالقلم۔

پڑھ اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون جمے ہوئے سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا ہی کریم ہے۔ جس نے تعلیم دی قلم کے واسطے سے۔

لفظ اقرأ (پڑھ) صرف اسی مفہوم میں نہیں آتا جس مفہوم میں ایک استاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے شاگرد سے کہتا ہے۔ پڑھو۔ بلکہ یہ اقرأ علی الناس یا اتل علی الناس یعنی دوسروں کو سنانے کے مفہوم و معنی کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے

واذا قرأت القرآن جعلنا بینک و بین الذین لایؤمنون بالاخرة حجابا مستورا۔ (پ۱۵۔ آیت۴۵)

اور جب آپ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک مخفی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔

اسی طرح سورۃ اعراف میں ہے

واذا قرئ القرآن فاستمعوالہ وانصتوا لعلکم ترحمون۔ (پ۹ آیت نمبر۲۰۴)

اور جب قرآن سنایا جائے تو اس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ بات واضح ہے کہ پڑھے اور سنائے الفاظ و کلمات ہی جاتے ہیں۔ مفاہیم و مطالب پڑھے اور سنائے نہیں جاتے۔ نیز علم بالقلم میں بھی اسی طرف اشارہ موجود ہے کہ آپ کی طرف آنے والی وحی، الفاظ و کلمات کی شکل میں ہے جس کو قلمبند بھی کیا جا رہا ہے۔ تحریر میں آنی والی چیز مفہوم و معنی نہیں ہوتی حروف و کلمات ہی ہوتے ہیں۔

سورۃ قیامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضرت جبریل امین علیہ السلام وحی لے کر آتے تو آپ اسے یاد کرنے کیلئے جلدی جلدی الفاظ دھراتے اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا۔

لاتحرک بہ لسانک لتعجل بہ O ان علینا جمعہ و قرآنہ O

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاذا قرأناه فاتبع قرآنہ O ثم ان علینا بیانہ۔ (پ۲۹ آیت۱۶تا۱۹)
اس کو جلدی سیکھ لینے کے لئے اس کے پڑھنے میں اپنی زبان کو جلدی نہ چلاؤ۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کرنا اور اس کو سنانا تو جب ہم اس کو سنا چکیں تو اس سنانے کی پیروی کریں، پھر ہمارے ذمہ ہے اس کی وضاحت کرنا۔

یہ آیات مبارکہ اس بات کی صریح دلیل ہیں کہ جو الفاظ و کلمات حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر آتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا تھا۔ اس لئے ان الفاظ کو یاد کرانے، سنانے اور ان کے معانی، مطالب کی تشریح کرنے کے تینوں کام اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کئے ہیں۔

۲۔ قرآن مجید کیلئے بطور علم، القرآن اور الکتاب کے الفاظ قرآن کریم میں جابجا استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن اور کتاب کا اطلاق صرف ذہنی و نفسی مضامین و مطالب پر نہیں ہوتا۔ قرأت اور کتابت الفاظ میں ہی ہو سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

الم O تنزیل الکتاب لاریب فیہ من رب العالمین۔ (سورۃ سجدہ آیت۱۔۲)
یہ الم ہے۔ اس کتاب کی تنزیل، اس میں شک نہیں کائنات کے رب کی طرف سے ہے۔

سورۃ ص میں ہے

کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبر وا آیاتہ و لیتذکرا ولوا الالباب۔ (آیت نمبر۲۹)
یہ نہایت مبارک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں اور صاحب عقل اس سے یاددہانی حاصل کریں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورۃ یٰس کا آغاز ان کلمات مبارکہ سے ہوتا ہے

یس O والقرآن الحکیم O انک لمن المرسلین O

یہ سورۃ یٰس ہے۔ شاہد ہے پُر حکمت قرآن کہ آپ رسولوں میں سے ہے۔

سورۃ ص کی ابتدا میں فرمایا "ص والقرآن ذی الذکر" یہ سورۃ ص ہے شاہد ہے یاددہانی سے معمور قرآن۔

۳۔ قرآن مجید میں چار مقامات پر حضور اکرم ﷺ کے فرائض منصبی بیان کئے گئے ہیں۔

ان میں پہلے دو فرائض تلاوت آیات اور تعلیم کتاب ہے۔ اور یہ ظاہر بات ہے کہ تلاوت الفاظ و کلمات کی ہوتی ہے معانی اور مطالب کی نہیں۔

۴۔ قرآن مجید نے جگہ جگہ اپنا عربی ہونا بیان فرمایا کہ اسے عربی زبان میں اتارا گیا اور عربیت کا تعلق الفاظ سے ہے معانی سے نہیں۔ مثل سورۃ زمر میں ہے۔

قرآنا عربیا غیر ذی عوج لعلھم یتقون۔ (پ۲۳ آیت نمبر۲۸)

(پ۲۳ آیت نمبر۲۸)

ایک عربی قران کی مشعل میں جس کے اندر کوئی کجی نہیں تاکہ وہ عذاب سے بچیں۔

۵۔ قرآن مجید کے سننے کا حکم دیا گیا اور سماع کا تعلق الفاظ و کلام سے ہوتا ہے۔ معانی و مطالب سے نہیں۔

واذ اقرء القرآن فاستمعوالہ و انصتوا لعلکم ترحمون۔ (الاعراف آیت نمبر۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگایا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

اور یہ آیت کافروں کے اس فعل و حرکت کے جواب میں اتری ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقال الذین کفروا لاتسمعوا لهذا القرآن والغوا فیه لعلکم تغلبون(السجدہ آیت نمبر٢٦)

اور کافر کہتے ہیں اس قرآن کو مت سنو اور اس کے درمیان شوروغل مچا دیا کرو۔ شاید تم غالب آجاؤ۔

کافر شوروغل اس لئے ڈالتے تھے کہ قرآن کے الفاظ و کلمات ان کو سنائی نہ دیں گے اور وہ اس سے متاثر نہ ہوں۔ امام بیہقی نے انا انزلنا فی لیلۃ القدر کا معنی و تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے

انا اسمعناہ الملک و افہمناہ ایاہ و انزلناہ بماسمع

ہم نے قرآن فرشتے کو سنایا اور اس کو بخوبی سمجھا دیا تو پھر فرشتہ نے جو کچھ سنا تھا اسے دے کر نازل کیا۔

دکتور شعبان محمد اسماعیل نے التشریع الاسلامی مصادرہ و اطوارہ ص ۱۲۲ اور شیخ محمد عبدالعظیم الزرقانی نے مناہل العرفان فی علوم القرآن ص ۴۱ پر اس قول کو امثل الاراء اور امثل الاقوال بہترین رائے اور بہترین قول قرار دیا ہے اور امام سیوطی نے اس کی تائید میں طبرانی کی ایک روایت پیش کی ہے۔ حضرت نواس بن سمعان مرفوعا بیان کرتے ہیں

اذا تکلم اللہ بالوحی اخذت السماء رجفة شدیدة من خوف اللہ فاذا سمع بذالک اهل السماء صعقو اوخرو سجدا فیکون اولهم یرفع راسہ جبریل فیکلمہ اللہ بوحیہ بما اراد فینتهی بہ الی الملائکة فکلما مربسماء سالہ اهلها ماذا قال ربنا۔ قال الحق، فینتهی بہ حیث امر

جس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے اس وقت آسمان پر خوف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الٰہی سے سخت لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور جب اہل آسمان اسے سنتے ہیں ان کے ہوش اڑ جاتے ہیں اور وہ سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ پھر ان سب سے پہلے جبریل سر اٹھاتا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ اپنی وحی سے جو چاہتا ہے کلام فرماتا ہے جبرئیل اسے لے کر فرشتوں تک پہنچ جاتا ہے جس وقت اس کا گذر کسی آسمان سے ہوتا ہے اس کے فرشتے اس سے دریافت کرتے ہیں ہمارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتا ہے حق فرمایا ہے پھر وہ اسے وہاں پہنچاتا ہے جہاں حکم ہوتا ہے۔

(مناہل الفرقان ج اص ۴۱)

امام سیوطی نے امام جوینی سے نقل کیا ہے کہ کلام اللہ المنزل کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ تم جس نبی کی طرف بھیجے جا رہے ہو اس سے کہنا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ایسا ایسا کرو اور وہ تمہیں اس اس بات کا حکم دیتا ہے۔ جبرئیل اپنے رب کی بات کو سمجھ لیتا ہے پھر اس نبی کے پاس جا کر اپنے رب کی بات اس کو بتا دیتا ہے۔ اگرچہ عبارت وہی اللہ تعالیٰ کی عبارت نہیں ہوتی۔ اس کی مثال کچھ یوں ہے کہ بادشاہ اپنے کسی معتمد کو کہتا ہے کہ فلاں کو جا کر کہہ دو کہ بادشاہ تمہیں کہتا ہے اجتہد فی الخدمۃ ادائے خدمت میں کوشش کرو "واجمع جندک للقتال" اپنی فوج لڑائی کے لئے جمع کرو اور اگر سفیر جا کر یوں کہہ دے

يقول لك الملك- لاتتهاون في خدمتي ولا تترك الجند يتفرق وحشهم على المقاتله

بادشاہ آپ کو پیام دیتے ہیں کہ میری خدمت میں سستی اور کاہلی سے کام نہ لیجئے اور اپنی فوج کو منتشر نہ ہونے دیں۔ ان کو لڑائی کی ترغیب دلایئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو قاصد کو جھوٹا قرار نہیں دیا جائے گا اور نہ ہی وہ پیام رسانی میں کوتاہی کا مرتکب تصور کیا جائے گا۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل سے فرمایا "اقرا علی النبی ھذا الکتاب" تم نبی کو یہ کتاب پڑھ کر سناؤ۔ پھر جبرئیل اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب لے کر نازل ہوا اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا تغیر نہیں کیا جیسے کوئی بادشاہ ایک تحریر لکھ کر کسی قابل اعتماد کے سپرد کر دیتا ہے اور اسے حکم دیتا ہے "اقراہ علی فلان" اسے فلاں کو پڑھ کر سناؤ۔ وہ قاصد اس پیام کا کوئی کلمہ یا حرف نہیں بدلتا۔ (مناہل العرفان ج ا ص ۴۳)

امام سیوطی اس کے بعد لکھتے ہیں

القرآن هو القسم الثانی والقسم الاول هو السنة کما وردان جبرئیل کان ینزل بالسنة کما ینزل بالقرآن و من هناجاز روایة السنة بالمعنی لان جبرئیل اداها بالمعنی ولم تجز القراۃ القرآن بالمعنی لان جبرئیل ادی القرآن باللفظ و لم یبح له اداوه بالمعنی (مناہل العرفان ج۱ ص۴۳)

قرآن کا تعلق دوسری قسم سے ہے اور پہلی قسم سنت ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ جبرئیل سنت کو بھی قرآن ہی کی طرح لے کر نازل ہوتے تھے اس وجہ سے سنت کی روایت بالمعنی جائز ہے کیونکہ جبرئیل نے اسے بالمعنی پہنچایا تھا۔ اور قرآن کی قرأت بالمعنی جائز نہیں کیونکہ جبرئیل نے اسے بجنسہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں ادا کیا تھا اور اس کیلئے اس کا بالمعنی ادا کرنا روا نہیں کیا گیا تھا۔

علامہ عبدالعظیم لکھتے ہیں: بعض نے خست و دناءت اختیار کرتے ہوئے یہ دعوی کیا ہے کہ جبرئیل حضور اکرم ﷺ پر معانی قرآن لے کر اترتے تھے "والرسول یعبر عنها بلغة العرب" اور رسول انہیں عربی زبان میں بیان فرماتے۔ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض کا خیال ہے "ان اللفظ لجبریل" الفاظ جبریل کے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف صرف معانی کی وحی فرماتا تھا یہ دونوں قول (باطل اثیم، مصادم لصریح الکتاب والسنۃ والاجماع ولا یساوی قیمۃ المداد الذی یکتب بہ) باطل، مجرمانہ صریح کتاب و سنت اور اجماع کے مخالف ہیں اور ان کی قدر و قیمت اس سیاہی کے برابر بھی نہیں جس سے لکھا جاتا ہے۔ اگر الفاظ محمد ﷺ یا جبرئیل کے ہیں تو قرآن معجز کیسے ٹھہر سکتا ہے اور اگر یہ اللہ کے الفاظ نہیں تو پھر قرآن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے ہو سکتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ جبرئیل نے اللہ تعالیٰ سے سن کر حضور اکرم ﷺ تک پہنچائے۔ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ کا کلام پہنچایا اور اب کروڑوں لوگ ان کو پڑھتے ہیں کلام کی نسبت اس کے موجد و منشی کی طرف ہی ہوتی ہے اگرچہ بعد میں اس کو بے شمار لوگ پڑھتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کی رائے کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کے منافی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کی طرف معانی القا فرمائے اور ان معانی کو الفاظ کا جامہ جبرئیل نے پہنایا یا جبرئیل نے معانی حضور اکرم ﷺ تک پہنچائے اور حضور اکرم ﷺ نے ان کی اپنے الفاظ میں تعبیر کی۔ اگر یہ الفاظ محمد ﷺ یا جبرئیل علیہ السلام کے ہیں تو پھر حتی یسمع کلام اللہ۔ میں ان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں گئی ہے کلام جو سنی جا رہی ہے اس کی نسبت تو پھر جبرئیل علیہ السلام یا حضور اکرم ﷺ کی طرف ہونی چاہیئے تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضور اکرم ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے قرآن کیسے سیکھا

حضور اکرم ﷺ کے جبرئیل سے قرآن اخذ کرنے کی صورتیں وہی دو ہیں جو آپ نے حضرت حارث بن ھشام رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں بیان فرمائی تھیں۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف یاتیک الوحی

اے حضور اکرم ﷺ آپ کے پاس وحی قرآن کیسے آتی ہے آپ نے جواب دیا

احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس۔ وھواشدہ علی فیفصم عنی و قدوعیت منہ ماقال واحیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی فاعی مایقول۔ (صحیح بخاری ج۱ باب کیف کان بدء الوحی)

کبھی گھنٹی کی آواز و جھنکار کی صورت میں آتی ہے اور یہ میرے لئے سخت ترین صورت ہے۔ جب یہ کیفیت مجھ سے دور ہوتی ہے تو اس نے جو کچھ کہا ہوتا ہے میں یاد کر چکا ہوتا ہوں۔ اور بعض اوقات فرشتہ میرے روبرو انسانی صورت میں آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔

امام ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ آپ نے فرمایا وحی کے نزول کی یہ صورت مجھ پر آسان ترین صورت ہے۔

مدتِ نزولِ وحی

مدت نزول کے بارے میں تین قول ہیں (۱) بیس سال۔ (۲) تیئس سال۔ (۳) پچیس سال۔

اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں مدت اقامت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آپ مکہ میں دس سال رہے اور بقول بعض تیرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بعض کے نزدیک پندرہ۔ صحیح قول یہ ہے کہ آپ نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ میں رہے اور دس سال مدینہ میں اس طرح نبوت کی زندگی تیئس سال ہے اور یہی دور نزول وحی کا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے

بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم لا ربعين سنة فمكث بمكة ثلاثه عشرة سنة يوحى اليه ثم امر بالهجرة عشر سنين ومات وهو ابن ثلاث و ستين (مباحث فى علوم القرآن لدكتور صبحى صالح)

حضور اکرم ﷺ کو چالیس برس کے ہونے پر مبعوث کیا گیا۔ تیرہ سال مکہ میں رہے اور دس سال ہجرت کے گزارے اور تریسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اگر رویائے صادقہ کی مدت چھ ماہ اور فترت وحی کا عرصہ ڈھائی سال شمار نہ کیا جائے تو پھر نزول وحی کی مدت بیس سال ہو گی۔

آغاز وحی

مختصر سیرۃ الرسول میں شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اس سلسلہ میں چار قول نقل کئے ہیں کہ بعض علماء کے بقول جبرئیل علیہ السلام سوموار کے دن ۷۔ رمضان المبارک کو وحی لے کر اترے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت کی رو سے ۱۷۔ رمضان کو۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ۲۷۔ رجب کو اور حضرت ابن عمر کے نزدیک ۱۸۔ ربیع الاول کو۔ (مختصر سیرۃ اردو ص ۱۳۷)

قرآن حکیم نے رمضان المبارک کی تصریح فرما دی ہے اس لئے یہ بات تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طے ہے کہ وحی کے نزول کا آغاز رمضان المبارک میں ہوا۔ محمود پاشا فلکی کے نزدیک آغاز وحی فروری ۶۱۰ء میں ہے۔ (تاریخ القرآن محمد طاہر الکروی)

شیخ محمد طاہر کروی اور دکتور شعبان نے شیخ محمد خضری کی تحقیق کو قبول کیا ہے کہ پہلی وحی غار حرا میں ۱۷۔ رمضان ۴۱ میلادی میں نازل ہوئی یعنی ۱۶ اگست ۶۱۰ء جب کہ آپ کی عمر قمری سال کے اعتبار سے چالیس سال چھماہ اور آٹھ دن تھی اور شمسی سال کے اعتبار سے ۳۹ سال تین ماہ آٹھ دن۔ (تاریخ القرآن ص ۲۷) اس طرح آپکو نبوت ربیع الاول میں ملی اور چھماہ تک رویائے صادقہ کا دور رہا۔ پھر وحی کا نزول شروع ہوا۔

ڈاکٹر حمید اللہ کے نزدیک آغاز وحی دسمبر ۶۰۹ء میں ہوئی۔ (خطبات بہاولپور ص ۹)

سولانا صفی الرحمن لکھتے ہیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ واقعہ رمضان المبارک کی ۲۱۔ تاریخ کو دوشنبہ کی رات پیش آیا۔ اس روز اگست کی ۱۰ تاریخ تھی اور سن ۶۱۰ء تھا۔ قمری حساب سے نبی اکرم ﷺ کی عمر چالیس سال چھ مہینے بارہ دن اور شمسی سال سے ۳۹ سال تین مہینے ۲۲ دن تھی۔ (الرحیق المختوم ص ۱۱۷-۱۱۸)

مولانا محترم نے اپنے موقف کی تائید میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے دوشنبے کے روزے کی بابت دریافت کیا گیا تو آپنے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا اور جس میں مجھے پیغمبر بنایا گیا یا جس میں مجھ پر وحی نازل کی گئی۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس سال رمضان میں دوشنبہ کا دن ۷۔ ۱۴۔ ۲۱ اور ۲۸ تاریخوں کو پڑا تھا۔ ادھر صحیح روایات سے یہ بات ثابت اور متعین ہے کہ لیلتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں پڑتی ہے اور ان ہی طاق راتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

لیکن بخاری میں حضرت ابن عباس کی روایت کہ "بعث علی راس اربعین" سے معلوم ہوتا ہے آپ کی بعثت تو ربیع الاول میں ہوئی جب رویائے صادقہ کا آغاز ہوا اور وحی کا نزول رمضان میں ہوا۔ اس لئے اگر ابو قتادہ کی روایت کی رو سے بعثت سوموار کو ہوئی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا وحی کا آغاز بھی سوموار کو ہوا ہو۔ نیز اگر لیلتہ القدر کی تلاش کا حکم آخری عشرہ میں ہے تو یہ رمضان کی فرضیت کے بعد کا واقعہ ہے جس کا تعلق مدنی دور سے ہے۔ ممکن ہے مکی زندگی میں لیلتہ القدر آخری عشرہ میں نہ ہو اس لئے آپ نے شروع میں اعتکاف پہلے عشرہ میں فرمایا۔ پھر درمیانی عشرہ میں اور آخر میں آخری عشرہ میں اس لئے ۷۔رمضان۔ ۱۷۔رمضان اور ۲۱۔رمضان میں سے کوئی سی تاریخ بھی ہو سکتی ہے۔

نیز علامہ خضری اور مولانا محترم کے درمیان اختلاف صرف چار دن کا ہے کہ بقول خضری یہ واقعہ ۴۔اگست ۶۱۰ء کا ہے اور مولانا کے نزدیک ۱۰۔اگست ۶۱۰ کا۔ قمری سال کے اعتبار سے چار دن کا فرق۔ معلوم نہیں شمسی سال کے اعتبار سے کیوں بڑھ گیا کہ خضری کے نزدیک شمسی سال کے اعتبار سے انتالیس سال تین ماہ اور آٹھ دن ہے اور مولانا کے نزدیک انتالیس سال تین ماہ اور ۲۲۔دن۔

بقیہ :- لغات الحدیث

جب کہ بعض محدثین دونوں جگہ طاء کے کسرہ اور واو کے فتح سے پڑھتے ہیں جو صحیح نہیں۔ کیونکہ روایات کا اجتماع اس کلمتہ کی خود تبیین کر رہا ہے۔ جب کہ طول طاء کے کسرہ اور واو کے فتحہ سے بمعنی رسی آتا ہے۔

لسان المیزان ۱۱/۲۱۵۔ النہایہ ۳/۱۴۴/۱۴۷ اصلاح ص ۲۷۔ لغات الحدیث ۴/۱۴۵

© rasailojaraid.com